© rasailojaraid.com



# کیا شرک تقاضائے فطرت ہے؟

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی

یہ اس کتاب کا ایک باب ہے جو مولانا امین احسن صاحب نے "حقیقت شرک" کے نام سے حال میں تصنیف فرمائی ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب عنقریب شائع ہو جائے گی۔

اس زمانہ میں ہر علم و فن کی تحقیق میں نظریۂ ارتقاء ریڑھ کی ہڈی ہے۔ تاریخ ہو یا قانون، معاشیات ہو یا سیاسیات، فلسفہ و مذہب ہو یا علم عمران و تمدن، ہر ایک کی ابتدائی کڑیوں کی تلاش کا شوق اس عہد کے ذوق پر اس درجہ غالب ہے کہ اس کے بغیر ہر علم ادھورا اور ناقص ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہر علم کا مدوّن سرمایہ، جو پوری روشنی میں موجود ہے، اپنی صحیح قدر و قیمت بتانے کے لئے بالکل ناکافی بلکہ اکثر حالات میں غلط اور مہمل قرار دیدیا گیا ہے۔ آج اصل شئے یہ ہے کہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق اُس عہد میں تحقیق کی جائے جبکہ انسان بالکل عہد طفولیت میں تھا اور جس کی کوئی لکھی ہوئی تاریخ ہمارے سامنے نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عہد ایک عہدِ ظلمت ہے۔ اس کے متعلق جو کچھ بھی کہا جا سکتا ہے اس کی حقیقت رجماً بالغیب باتوں اور اٹکل کے تیر تکّوں سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اس ظلمات میں خضرِ راہ آرکیالوجی (علم الآثار) اور بیالوجی (علم الحیوۃ) کے ماہرین ہیں جو زمین کے طبقات، چٹانوں کے پرت، غاروں کے اندر کے آثار و علامات، گڑی ہوئی ہڈیاں، ابتدائی آلات و اوزار، اور قدیم انسان کے کھینچے ہوئے آڑے ترچھے نقوش کو علم کا اصلی سرمایہ قرار دیتے ہیں اور اس پر ظن و تخمین کی عمارتیں کھڑی کرتے ہیں۔ اس بات کا اعتراف سب کو ہے کہ اس کی حیثیت ظن و تخمین (GUESS WORK) سے زیادہ نہیں ہے۔ تاہم اس کی اہمیت کا یہ عالم ہے کہ ہر علم و فن بس وہی حقیقت ہے جو ان مظنونات سے ہم آہنگ ہو جائے۔ جو بات ان سے میل نہ پیدا کر سکے وہ بے اصل اور ارتقاء کی راہ میں گویا ایک غیر فطری بیرونی مداخلت ہے جس کا وجود نہیں بلکہ عدم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطلوب ہے۔ اس خیال کے غلبہ کا یہ اثر ہے کہ ایک عرصے سے دنیا میں سیاسی و سماجی تبدیلیوں کے جتنے دعوے اُبھرے ہیں ان میں سے ہر دعوی کو نظریۂ ارتقاء کا سہارا لینا پڑا ہے۔ اور یہ اتنا مرنجان مرنج واقع ہوا ہے کہ سب کے ساتھ اسکی سازگاری رہی۔ جمہوریت کے حامیوں نے انسان کی ابتدائی سماجی زندگی کا نقشہ اس طرح پیش کیا کہ جمہوریت ہی کو انسان کا فطری تقاضا ثابت کر دیا۔ ملوکیت کے ہمدردوں نے اس کی تقریر اپنے رنگ میں کر ڈالی۔ مزاج کے علمبرداروں نے اسکی تصویر اپنے رنگ میں کھینچ دی۔ اشتراکیت نے اس کو اپنے رنگ میں پیش کر دیا۔ صرف غریب مذہب اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ کلیسا سے، پہلے ہی مرحلہ میں، اس نظریہ کے علمبرداروں سے اَن بن ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکے شاطر حامیوں نے اس بات کی پوری کوشش کی کہ کسی طرح بھی اس کو ان مذاہب کی حمایت میں نہ استعمال کیا جا سکے جو اپنی مخصوص انفرادیت کے مدعی ہیں اور اپنے عقائد و مسلمات کی بنیاد وحی پر قرار دیتے ہیں اور دوسرے مذاہب کے ساتھ کسی رواداری کے لئے تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ یہودیت، مسیحیت اور اسلام کی جڑ اکھاڑنے کی انہوں نے پوری کوشش کی اور اس مقصد کے لئے مذہب کے ارتقاء کو انہوں نے اس طرح پیش کیا جس سے آسمانی مذاہب کے تمام مسلمات بالکل ڈھے جائیں۔

اس مضمون میں مسئلہ کی تمام تفصیلات سے ہمیں بحث کرنے کا موقع نہیں ہے۔ ہم صرف اتنے حصہ سے تعرض کرینگے جس کا تعلق شرک و توحید سے ہے۔

یہ لوگ مذہب کے ارتقاء کی تقریر یوں کرتے ہیں کہ مذہب نے انسان کے اولین نقش قدم کے ساتھ دنیا میں قدم رکھا۔ جس وقت انسان نے یہ محسوس کیا کہ وہ مجرد جسم نہیں ہے بلکہ اپنے اندر اس سے ایک برتر عنصر روح بھی رکھتا ہے اسی وقت مذہب کی پہلی بنیادی اینٹ رکھ دی گئی۔ اس کی ابتدائی تشکیل دو عنصروں سے ہوئی۔ ایک جذبۂ خوف دوسرا تصوّر۔ خوف ان دیکھی قوتوں کا جو قدرت کی ان طاقتوں سے پیدا ہوا جو انسان سے زور و قوت میں بڑھ کر تھیں اور ہر چہار طرف سے اس کو گھیرے ہوئے تھیں اور تصوّر اس بات کا کہ ان کی تعظیم اور بندگی کرنی چاہیے۔ جس طرح ان تمام چیزوں کی تاریخ، جو جسم و جسمانیات سے تعلق رکھتی ہیں، زندگی کے اس ابتدائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ذرہ سے وابستہ ہے جس نے مادہ کو زندگی کی حرکت بخشی اسی طرح اُن تمام چیزوں کی تاریخ، جو روح و روحانیات سے وابستہ ہیں، اس ذرہ روح سے متعلق ہے جس کے جذبہ خوف اور تصور کے باہمی تفاعل سے مذہب وجود میں آیا ہے۔ اس مذہبی تصور نے جب مذہبی عمل کی صورتیں اختیار کیں تو اسکے نتیجے کے طور پر مذہب کے فرائض اور اسکے رسوم و مناسک وجود میں آئے۔ پس مذہب ایک عمل ارتقاء کا نتیجہ ہے۔ وہ زندگی کا ارتقاء تھا۔ یہ روح کا ارتقاء ہے۔ اور جس طرح یہ بات معلوم ہے کہ زندگی ایک زمانہ میں رینگنے والے جانوروں کی شکلوں (REPTILION LIFE FORMS) میں چھپی ہوئی تھی اور درجہ بدرجہ انسان کی اس احسن تقویم میں بے نقاب ہوئی، اسی طرح روح ابتداء میں مظاہر پرستی، اشیاء پرستی اور سحر و ساحری کی زنجیروں میں گرفتار تھی اور آہستہ آہستہ خالص خدا پرستی تک پہنچی

اس تقریر سے جو نتائج وہ نکالتے ہیں وہ بھی ہم اپنے لفظوں میں بیان کر دیتے ہیں۔

۱۔ مذہب کا نقطہ آغاز خوف کا جذبہ ہے۔ یہ خوف مظاہر قدرت سے پیدا ہوا۔ بادلوں کی گرج، بجلی کی کڑک، آندھیوں کے شور، آتش فشاں پہاڑوں کے ہولناک نظاروں نے انسان کو ڈرایا اور وہ ان کو زندہ وجود سمجھ کر ان کی آفتوں سے اپنے تئیں بچانے کے لئے ان کی عبادت کرنے لگا۔

۲۔ خالص خدا پرستی کے تقاضائے فطرت ہونے کا دعویٰ غلط ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو خدا پرستی کی جگہ انسان مظاہر پرستی اور اشیاء پرستی وغیرہ سے پہلا قدم نہ اٹھاتا اور نہ دنیا میں بت پرستی اور مردہ پرستی کی یہ کثرت ہوتی۔

۳۔ تمام مذاہب کی اصل ایک ہے۔ اس اعتبار سے اسلام اور یہودیت اور افریقہ کے وحشیوں کی سحر پرستی (VOODOO WORSHIP) میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پس تمام مذاہب اور عقائد مختلفہ میں رواداری کو اصل الاصول ہونا چاہیے۔

اوپر کی تقریر اس قدر دلکش تھی کہ ان نتائج کا لحاظ کئے بغیر، اس نے ہمارے حال کے بعض علمائے دین کی کتابوں میں بھی جگہ پالی۔ حالانکہ ہے یہ بالکل مہمل اور غلط۔ عقل و نقل دونوں اسکے خلاف ہیں۔

یہ بات کہ مذہب کا آغاز ان دیکھی قوتوں کے خوف سے ہوا بالکل بے سرو پا ہے۔ انسان میں جو خوف ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس کی اصل حقیقت زوال نعمت کا اندیشہ ہے۔ (چنانچہ اہل جنت کو یہ نعمت حاصل ہو گی کہ لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون نہ ان کو زوال نعمت کا اندیشہ ہو گا نہ فائت کا غم) اس لئے خوف سے پہلے نعمت اور منعم کا شعور ناگزیر ہے جب تک ہمیں زندگی اور اس کے اسباب و وسائل کے نعمت ہونے کا احساس نہ ہو اس وقت تک ہمیں زندگی کے متعلق کوئی خوف نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اپنی زندگی سے بیزار ہو جاتے ہیں وہ موت جیسی خوفناک چیز سے بھی نہیں ڈرتے۔ کتنے آدمی آگ میں کود پڑتے ہیں، کتنے دریاؤں اور سمندروں میں ڈوب مرتے ہیں اور جاپان میں کتنے ہیں جو آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں میں چھلانگ لگا کے ختم ہو جاتے ہیں۔ پس اگر ابتدائی انسان کو بجلی کی کڑک، بادلوں کی گرج اور طوفانوں کے شور سے کوئی خطرہ محسوس ہوا اور اسے اپنے تئیں انکے خطرات سے بچانے کی فکر لاحق ہوئی تو اس سے لازم آتا ہے کہ اسے زندگی اور زندگی کے اسباب و وسائل کے نعمت ہونے کا شعور تھا کیونکہ جب تک کوئی شے عزیز نہ ہو اس کی حفاظت کی فکر بالکل بے معنی ہے۔ خالی گھر میں کوئی بھی قفل نہیں لگاتا۔ اور پھر اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اسے ایک منعم کا بھی شعور تھا کیونکہ نعمت کا وجود ایک منعم کے شعور کو مستلزم ہے۔ اور اگر یہ بات بھی ہے کہ وہ قدرت کے ان مظاہر کی اس ڈر سے عبادت کرنے لگا کہ وہ اس سے کہیں زندگی کی نعمت یا اسکے اسباب چھین نہ لیں تو یہ بھی لازم آتا ہے کہ ان نعمتوں کے شعور نے اس میں اپنے منعم کے لیے محبت کا جذبہ بھی پیدا کیا ہو گا۔ پس ثابت ہوا کہ ایک منعم کی محبت کا جذبہ خوف کے جذبہ پر مقدم ہے۔

بہر حال انسان نے جب سے خوف کا احساس کیا اس سے پہلے زندگی کے نعمت ہونے اور ایک منعم کا اور اس کی محبت کا احساس کیا۔ اور جس وقت اسکے تصور نے ورغلایا کہ ان مظاہر قدرت کی عبادت کرے یقیناً اس سے پہلے جذبہ محبت سے ایک تصور نے ابھر کر اسے اکسایا ہو گا کہ وہ اپنے منعم کا شکر کرے اور بار بار یہی محبت اور شکر گذاری کا جذبہ و تصور توحید اور خالص خدا پرستی کی اصل ہے۔ یہی راز ہے کہ قرآن مجید نے حمد و شکر کو انسان کی اولین صدائے فطرت بتایا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین، الرحمٰن الرحیم۔

اس بات کی تائید اس امر واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جو چیزیں انسان کے اندر خوف کی حالت پیدا کرتی ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ دنیا کے عامۃ الورود واقعات میں سے نہیں ہیں۔ زلزلے روز نہیں آتے، آتش فشاں پہاڑ روز نہیں پھٹتے، بجلیاں روز نہیں کڑکتیں، اور طوفانوں کا شور بھی کوئی روزمرہ کا واقعہ نہیں ہے۔ لیکن تارے روز چمکتے ہیں، سورج روز چمکتا ہے، آسمان کی نیلگونی ہر لحظہ باصرہ نواز ہے۔ چاند روپہلی چاندنی کی چادر، دشت و جبل میں روز بچھاتا ہے، ابرِ کرم کی تردستیاں اور درختوں کی ثمر باریاں ہر موسم میں ملتی ہیں۔ پھر کس قدر حیرت کی بات ہے کہ مظاہرِ قدرت کی گاہ گاہ کی گھڑکیاں اور دھمکیاں تو انسان کو اس درجہ مرعوب کر دیں کہ وہ ان کی پوجا کرنے لگ جائے لیکن منعم غیب کی یہ سب فیاضیاں بالکل بے اثر رہ جائیں اور انسان میں شکر و سپاس کا کوئی ولولہ نہ پیدا کریں۔

بیالوجی کے علماء نے اس زمانہ کی دنیا کی تصویر بہت بھیانک کھینچی ہے اور دکھانا چاہا ہے کہ اس وقت کے قدرتی مظاہر خوف کے جذبہ ہی کا باعث ہو سکتے تھے لیکن ظاہر ہے کہ اس زمانہ کا انسان بھی آج کا انسان نہ تھا۔ اگر اس وقت یہ کائنات اتنی حسین نہ تھی تو اس وقت کا انسان بھی اتنا جمال پرست نہ تھا۔ اگر اس وقت یہ زمین آج کی طرح زرخیز و معمور نہ تھی تو اس وقت کا انسان بھی آج کی طرح عشرت پسند اور مجلس نواز نہ تھا۔ اگر اس وقت خطرے بے شمار تھے تو آج کے انسان کی طرح اس عہد کا انسان نازک بدن اور تن آسان بھی نہ تھا۔ وہ ہر خطرے سے بچاؤ کے لئے کوسوں بھاگ سکتا تھا، گلہریوں اور بندروں کی سی چستی کے ساتھ درختوں پر چڑھ سکتا تھا، آگ جلا کر اور پتے سی کر اپنے جسم کو سردی اور گرمی کی تکلیف سے بچا سکتا تھا، برف اور درندوں کی آفتوں سے بچنے کے لئے غاروں میں چھپ سکتا تھا، بھوک میں ہر جاندار کے شکار سے اپنا پیٹ بھر سکتا تھا۔ اس لئے یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ اس وقت کے حالات خوف ہی کے جذبہ کی نشوونما کے لئے سازگار تھے۔ اس میں حاضر کو ماضی میں داخل کر دینے کا مغالطہ چھپا ہوا ہے۔ زمانہ قدیم ترین دورِ حجری سے بھی پہلے کا فرض کیا گیا ہے اور انسان اس کے اندر اس بیسویں صدی کا فرض کر لیا گیا ہے۔ بہرحال ہمارا کہنا صرف یہ ہے کہ انسان کے اندر جب بھی خوف کا جذبہ پیدا ہوا اس سے پہلے ایک منعم کی محبت کا جذبہ ضرور اس کے اندر موجود تھا۔

بعض علمائے ارتقاء نے خاندان کے بڑے بوڑھے کے خوف کو انسان کے تمام ابتدائی تصورات (EARLY

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



(THOUGHTS) کی اصل قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بات بھی بالکل غلط ہے۔ باپ کے خوف کی بنیاد ضرر رسانی کے اندیشہ پر نہیں ہے۔ اس کی بنیاد بھی محبت ہی پر ہے۔ بچوں کو تمام لذتیں اور راحتیں ماں باپ سے حاصل ہوتی ہیں اسی وجہ سے وہ اُن سے محبت کرنے لگتے ہیں اور اسی محبت ہی کی وجہ سے ان سے ڈرتے بھی ہیں۔ اس باب خاص میں قدیم ترین انسان اور جدید ترین انسان میں فرق کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ پس یہ جذبہ بھی درحقیقت محبت ہی کا جذبہ ہے۔ اور اس سے بلاشبہ ماں باپ کی تعظیم کا تصور پیدا ہوتا ہے لیکن یہ حقیقت نظر انداز نہیں کرنی چاہیے کہ بچہ جب تک بچہ رہتا ہے اسی وقت تک ساری کائنات باپ ہی کو سمجھتا ہے لیکن جوں ہی وہ خود باپ بنتا ہے یا بننے کے قابل ہوتا ہے اسے محسوس ہونے لگتا ہے کہ باپ کا وجود صرف ایک حد تک ہی اس کی لذتوں اور راحتوں کا کفیل ہے۔ اس حد سے باہر قدم رکھنے کے بعد اسے جو کچھ حاصل ہوا ہے اس کا سرچشمہ کوئی اور ہی اَن دیکھی ہستی ہے۔ یہاں تک کہ خود باپ کا وجود بھی اسے اس اَن دیکھی ہستی کی بے پایاں بخشایشوں میں سے ایک بخشش معلوم ہونے لگتا ہے۔ پس جس جذبۂ محبت نے اسکے اندر باپ سے محبت، تعظیم اور خوف کی وابستگی پیدا کی ہوگی؟! اگر انسان ہمیشہ بچہ ہی رہتا اور مذہب کا وجود اسی کے جذبۂ محبت اور تفاعل کا نتیجہ ہوتا تب تو دین کا آغاز پدر پرستی ہی سے ہوتا لیکن مشکل تو یہ ہے کہ بچہ سیانا بھی ہوتا ہے اور مذہب کی ایجاد سیانوں ہی کی کارفرمائی ہو سکتی ہے تو سیانوں کے جذبہ اور تصوّر کا بھی کچھ نتیجہ ہونا چاہیے۔ بہرحال باپ کے احسانات کا اثر اگر محبت کے جذبہ کی شکل میں اُبھر سکتا تھا اور اس سے اس کی تعظیم، اس کے وقار اور اس کے احترام کا تصور پیدا ہو سکتا تھا تو اس سے بدرجہا اقرب ہے کہ ان عظیم احسانات کا اثر بھی اسی جذبہ و تصوّر کی شکل میں ہو جن میں باپ کو کوئی دخل نہیں تھا لیکن وہ موجود تھے اور باپ سے کہیں بڑھ کر کسی مہر و محبت والی ہستی ہی کے ہو سکتے تھے[1]

[1] مذہب کی اصل کے متعلق علمائے سائنس کے ہاں مقبول عام نظریے یہی دو ہیں اور انہی کو نسبتہً علمی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اسی وجہ سے ہم نے بھی ان ہی دونوں سے تعرض کیا ہے۔ ورنہ اسکے علاوہ اور بھی نظریات ہیں مثلاً بعضوں نے مذہب کا نقطۂ آغاز طوطمیت (TOTEMISM) کو قرار دیا ہے۔ بعضوں نے اس کی اصل اوّل اوّل انسان پر کسی نشیلی چیز کے استعمال کے وجد انگیز اثر کو قرار دیا ہے۔ بعضوں نے اس کی بنیاد جنسی خواہشوں پر رکھی ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ خرافات محتاج تردید نہیں

[illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بہر حال مذہب کا آغاز خوف کے جذبہ سے نہیں ہوا، محبت کے جذبہ سے ہوا ہے۔ علمائے ارتقاء کے یہ دونوں نظریے باطل ہیں۔ پہلی صورت میں خالص خدا پرستی کا جذبہ اور تصوّر مقدم ہے اور غیر اللہ کی پرستش ایک غیر فطری عارض کی طرح انسان کو محض سوء فہم اور اپنی فطرت کی صحیح آواز سے غفلت کی وجہ سے لاحق ہو گئی اور دوسری صورت میں یہ ہونا چاہیے کہ انسان باپ کی محبت کا ہاتھ پکڑ کر خدا تک پہنچ جائے اس کے اس جذبہ کا فطری ارتقاء صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ باپ سے مستغنی ہونے کے ساتھ ہی مجازی باپ سے حقیقی خالق تک پہنچ جائے اور اس کے ساتھ باپ سے زیادہ محبت کرے اور باپ سے زیادہ اس کی تعظیم بجا لائے لیکن اگر وہ ایسا نہ کر سکا تو وہ ارتقاء کی اصلی شاہراہ پر مارچ کرنے کے بجائے کسی اندھی گلی (BLIND ALLEY) میں جا پڑا اور یہ اسی طرح کا غیر فطری جمود ہے جس کی مثالیں مادی زندگی کے ارتقاء میں ملتی ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ قدیم ترین جذبہ والدین کی محبت کا جذبہ اور قدیم ترین تصوّر والدین کی تعظیم کا تصوّر ہے۔ اس جذبہ کی رہنمائی بچہ کو بلوغ کے بعد خدا کی طرف لے جاتی ہے۔ نہ کہ آبا پرستی اور قبائلی دیوتاؤں کی طرف۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اور تورات میں خدا کی عبادت اور والدین کے ساتھ احسان کا حکم ساتھ ساتھ ہوا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسانی فطرت میں خدا اور والدین کے حقوق کا شعور قدیم ترین ہے۔ اور ان میں خدا کا حق والدین پر مقدم ہو جاتا ہے اگرچہ شعور میں والدین کا حق پہلے آتا ہے۔ یہ ویسے ہی ہے جیسے بالاخانے پر چڑھنے سے پہلے زینہ اوپر ہوتا ہے لیکن اس پر پہنچ جانے کے بعد زینہ نیچے ہو جاتا ہے۔ خدا تک پہنچ جانے کے بعد انسان پر یہ راز کھل جاتا ہے کہ والدین خود خدا کے افضال میں سے ہیں ان کا پوجنا تو درکنار اس نعمت کے ملنے پر بھی خدا ہی کا شکر واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے والدین کے لئے بیٹے پر تمام حقوق تسلیم کئے لیکن ان کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ بیٹے سے شرک کرائیں (وان جاھداک علی ان تشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما) اس کی وجہ یہ ہے کہ فطرت کے اندر جو داعیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقوق والدین کے احترام اور ان کی محبت و تعظیم کے لئے ہے اس سے قوی تر داعیہ اللہ اور اسکے حقوق کے احترام کے لئے ہے پس والدین کو یہ حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ جس جذبہ و تصوّر سے وہ ایک چیز پاتے ہیں بعینہٖ اسی جذبہ و تصوّر کے اس سے قوی تر مقتضے کا خدا کے باب میں انکار کرائیں۔

بعض لوگوں کو ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ قرآن اور دوسری آسمانی کتابوں میں جگہ جگہ اہلِ ایمان کی تعریف میں تقویٰ، خشیت اور خوف کا ذکر آتا ہے۔ اس سے علمائے ارتقاء کی اس بات کی تائید نکلتی ہے کہ مذہب کا نقطۂ آغاز خوف کا جذبہ ہے۔ لیکن یہ شبہ بالکل غلط ہے۔ اسلام میں وہ خوف و خشیت معتبر نہیں ہے جسکی بنیاد مجرد ضرر رسانی کے اندیشہ پر ہو۔ اس طرح کی خشیت چنگیز، تیمور، شیر، ہاتھی، سانپ، بچھو ہر ایک سے ہو سکتی ہے۔ اگر یہ خشیت خدا سے ہو تو اسکی کیا وقعت ہے۔ مذہب میں جو خوف و تقویٰ مطلوب و محبوب ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ یہ وہ خوف و تقویٰ ہے جس کی بنیاد محبت پر ہے۔ یہ مجرد خدا کے قہر و غضب کے تصوّر سے نہیں بلکہ اسکے بے پایاں افضال و عنایات کے تصوّر اور اس کے اسمائے حسنیٰ کے تذکر سے پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو اس کی اعلیٰ صفتوں کو سب سے زیادہ جانتے ہیں وہی اس سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں اور جو اس سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں وہی اس سے سب سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلمٰؤ۔ (اللہ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں)

اس تقریر سے علمائے ارتقاء کے اس نظریہ کی پوری تردید ہو گئی کہ مذہب کا آغاز خوف کے جذبہ اور مظاہر پرستی سے ہوا لیکن ایک شبہ یہ ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اگر انسان کی فطرت خالص خدا پرستی ہے اور اسکے روحانی ارتقاء کا رخ یہی ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ دنیا میں کثرت سے شہادت بت پرستی، مردہ پرستی وغیرہ ہی کی ملتی ہے۔ تاریخ کے عہدِ ظلمت کے آثار و قرائن بھی اسی کی گواہی دیتے ہیں اور جس عہد کا مدوّن سرمایہ ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے اس کی شہادت بھی یہی ہے۔ نصاریٰ پر پوری چھ صدیاں بھی نہ گذرنے پائیں کہ ان میں تصویر پرستی رائج ہو گئی حالانکہ توریت میں اسکی سخت ممانعت تھی۔ یہود باوجودیکہ توریت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کا پہلا حکم توحید تھا، بار ہا دل کھول کر بتوں کو پوجنے لگے۔ حضرت ابراہیمؑ نے محض توحید کے لئے وطن کو چھوڑا اور ایک سنسان جگہ جا بسے لیکن انہی کی اولاد نے، بہت مدت نہیں گذری کہ اسی گھر میں بتوں کو لا بسایا جس کا معمار وہ پہلا بت شکن تھا۔ جبکہ قرآن کا دعوٰی یہ ہے کہ خالص توحید ہی انسان کی فطرت ہے لیکن واقعات کی شہادت اسکے خلاف ہے تو اس کا جواب دینا ضروری ہے اور اسی جواب سے علمائے ارتقاء کے اس دوسرے نتیجہ کی تردید ہو جائے گی جو ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔

یہ بات کہ دنیا میں ابتدا سے، کثرت بت پرستی اور شرک کی رہی ہے اور اب تک ہے اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ شرک و بت پرستی انسان کی فطرت ہے۔ آدمی کا بچہ جب تک بچہ ہوتا ہے، سامنے کی ہر چیز بلا امتیاز اسکے کہ وہ اینٹ ہے یا پتھر، لکڑی ہے یا لوہا، پاک ہے یا ناپاک، اس کو منہ میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ یہ ماں کی چھاتی ہے۔ کچھ دیر تک اس کو چوستا ہے۔ پھر کوئی دوسری چیز اٹھا لیتا ہے، تیسری چیز اٹھا لیتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکال لینا کہ یہ ساری چیزیں بچہ کو فطرةً مطلوب ہیں محض حماقت ہے۔ بچہ کی فطری غذا ماں کی چھاتی کے اندر ہے اور اسی کی تلاش میں اسکی یہ ساری تگ و دو بھی ہے لیکن چونکہ ابھی اسکے اندر پورا امتیاز نہیں ہوتا وہ ہر چیز کو ماں کی چھاتی ہی خیال کرنے لگتا ہے۔ پس اگر انسان اپنے عہدِ طفولیت میں بت پرستی اور مظاہر پرستی وغیرہ کی نجاستوں میں آلودہ رہا تو اسکے معنی یہ نہیں ہو سکتے کہ یہی اسکی فطرت کا تقاضا تھا۔ درحقیقت اسکی یہ ساری پریشانی و سرگردانی معبود حقیقی کی تلاش میں تھی جس کی طلب نے اسکو ان تمام کوچوں کی خاک چھنوائی۔ بچہ کی یہ خصوصیت بھی قابل لحاظ ہے کہ بسا اوقات ماں اسکو پکارتی بھی ہے لیکن وہ جس چیز میں مشغول رہتا ہے اسی میں مشغول رہتا ہے تا آنکہ وہ اسے گود میں نہ اٹھا لے اور اپنی چھاتی اسکے منہ سے نہ لگا دے پھر جوں ہی اس کو سینہ سے الگ کر دیتی ہے وہ ہر چیز منہ میں ڈالنے اور نگلنے لگتا ہے۔

پس یہ بات بالکل مطابق عقل معلوم ہوتی ہے کہ تاریخ کے عہدِ ظلمت میں بھی خدا کے ایسے بندے آئے جن کی فطرت بیدار رہی تھی اور انہوں نے دوسروں کو بھی بیدار کیا لیکن تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد جیسا کہ بچوں کی فطرت ہے،



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کھلونوں کی دلچسپی عود کرتی رہی۔ اور انسان کی جستجو اپنا مدعا پا پا کے کھوتی رہی ۔

یہاں پہنچکر بعض لوگوں کو ایک اور شبہ بھی ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جو چیز انسان کی فطرت ہے چاہیئے کہ وہ اسی پر پیدا ہو، اسی پر بڑھے اور اسی پر مرے۔ یہ پا پا کر کھونا اور کھو کھو کے پانا کیا معنی! کم از کم یہ تو ہو کہ جستجوئے بسیار کے بعد جب پا جائے تو پھر اسے نہ کھو سکے! یہ شبہ محض اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ لوگ حیوانات کی جبلّت اور انسان کی فطرت کے فرق کو نہیں سمجھتے۔ حیوانات کی جبلّت اپنے بندھے ٹکے قاعدے رکھتی ہے، اگر کوئی طبعی خلل نہ واقع ہو، انہی قاعدوں پر اُبھرتی، نشوونما پاتی اور اپنے مقررہ درجہ کمال تک پہنچتی ہے۔ قدرت نے انکو اس سے انحراف، اس میں تبدیلی یا اس میں ترقی کا کوئی موقع نہیں بخشا ہے۔ وہ اپنے ڈھرے کے پابند اور اپنے طبعی نظام کے اندر جکڑے ہوئے ہیں۔ ایک کبوتر کو اگر آپ گوشت کی ایک دوکان کے اندر بند کر دیں وہاں بھوکا مر جائے گا لیکن گوشت کے سارے ذخیرہ سے کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکے گا۔ ایک بلّی کو اگر آپ پھلوں کی الماری کے اندر بند کر دیں وہ بھی بھوکی مر جائے گی لیکن پھلوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے گی۔ لیکن انسان کی فطرت اس سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں ہم تھوڑی دیر کے لئے استاذ امام کے الفاظ مستعار لے لیتے ہیں جو انہوں نے تفسیر سورۃ اخلاص میں مذکورہ بالا سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھے ہیں۔ اور سورہ روم کی آیات (۲۸-۳۵) کی روشنی میں لکھے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں :-

"حکمت اور رحمت کی نشانیاں جو انسان کو تمام عالم میں نظر آرہی ہیں اور اپنے رب کی طرف کشش جسے وہ مصیبت کے وقت محسوس کرتا ہے، بتا رہی ہیں کہ کسی حاکم مطلق کی ہستی پر اسے اپنے اندر اور باہر سے گواہی مل رہی ہے۔ ایسی کوئی شہادت بتوں یا مردوں کے لئے نہیں ملتی۔ مگر انسان کی فطرت مثل اور حیوانات کے نہیں۔ وہ غلام بنائے گئے اور اس کو آزادی بخشی گئی جس کا لازمہ تھا کہ وہ اپنی کوشش سے ترقی کرے۔ پس اُن کو جس ڈگر پر چلانا تھا ہانک دیا اور وہ ویسے ہی چل رہے ہیں مگر انسان کو چراغ عقل اور توشۂ قابلیت دے کر میدان عالم میں چھوڑ دیا پس اسکی فطرت اس کی قابلیت ہے۔ جس قدر انسان نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



آج تک ترقی کی ہے یہ سب اس کی قابلیت ہی کے آثار ہیں اور اس کی قابلیت ہی سے کہ برگ و بار ہیں امر کی قابلیت کا نام فطرت ہے کچھ انسان کے ساتھ مخصوص نہیں بچہ طاؤس جو ایک مضغۂ گوشت ہے جب جوان ہوتا ہے تو اس کے پروں کی گلکاری کو ہم اس کی فطرت ہی کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ اسی طرح بچہ انسان جو اکثر جانوروں کی نسبت زیادہ ضعیف الجثہ ہے اور اس سے بھی بڑھکر ضعیف العقل ہے جب اپنے شباب پر پہنچتا ہے تو کیا اسکی دانائی اور توانائی کو ہم اسکی اعلیٰ فطرت کا نتیجہ نہ سمجھیں۔ پس انسان اور دیگر چیزوں میں فطرت کے ایک ہی معنی ہیں البتہ اس کی فطرت میں ایک جداگانہ بات ہے جو اوروں میں نہیں۔ بیادل میں نہایت کمزور اور بے حقیقت ہوتا ہے مگر آخر میں سب پر فائق ہو جاتا ہے۔ اسکی طاقت کی تعداد اب تک نہیں ملی۔ مگر یہ سب دو ناتوانیوں کے درمیان ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان سے دعوائے فرعونی بھی ناموزوں نہ ہوتا۔ پس محض اس بات سے کہ انسان کی فطرت ترقی کے بے انتہا مراحل طے کرتی ہے یہ امر قرین قیاس ہے کہ وہ اکثر غلط راستہ پر پڑ جائے۔ پس آزادی لائے اور پھر دراز کی راہ اس کے حصہ میں آئی۔ ان دونوں مشکلوں کے ساتھ ایک تیسری مشکل بھی لگ گئی جو ان دونوں سے کبھی جدا ہو ہی نہیں سکتی۔ یعنی انسان نیکی اور بدی کے دوراہہ پر کھڑا کیا گیا جس کے بغیر اسکے حق میں آزادی لفظ بے معنی ہوتی اور ترقی مراتب کے لئے عرصہ تنگ ہوتا۔ پس کوشش اور کشمکش انسان کی فطرت کا لازمہ ہوا اور نیکی اور بدی کی کشمکش میں آگے بڑھنا اور نفس امارہ اور عقل آوارہ کو جادۂ طاعت پر لانا اس کا فریضہ ٹھہرا۔"

"انسان کو خداتعالیٰ نے ان دقتوں میں ڈال کر اس کی دستگیری کا وعدہ کیا ہے۔ اسکے اندر اور باہر سامان ہدایت موجود کرتے ہیں۔ جس طرح بچہ ناتواں کے لئے ماں کا آغوش مہیا کیا اسی طرح نوع انسان کے لئے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا۔ جو خدا زمین مردہ کو بارش سے سیراب کرتا ہے وہی خدا اپنے کلام سے دلوں کو آباد کرتا ہے جس طرح وہ بعض بلند پہاڑوں میں سے قدرتی چشمے نکال دیتا ہے اسی طرح بعض اعلیٰ دلوں میں سے الہی کلمے جاری فرماتا ہے پس اس قدر سامان مہیا کر دینے کے بعد اگر انسان خدا سے روگرداں ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تو یہ نتیجہ فطرت نہیں بلکہ اس کی غفلت ہے۔ اگر تاریخ سے بت پرستی کی مثالیں ملتی ہیں تو اس سے کہیں زیادہ پُرزور اسکے ابطال کی مثالیں ملتی ہیں۔ توحید پر شرک کا غبار آہستہ آہستہ جمتا ہے مگر توحید کا ذرا سا چمکارا شرک کی ظلمت پر غالب ہوجاتا ہے جس سے یہ نتیجہ بدیہی طور پر نکلتا ہے کہ فطرت انسانی کو توحید سے مناسبت ہے ورنہ وہ کیوں اس طرف تیزی سے دوڑتا ہے اور دوسری طرف آہستہ آہستہ کھسکتا ہے"

اس تقریر سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ انسان کی فطرت اور حیوانات کی جبلت میں چند بنیادی فرق ہیں پہلا فرق یہ ہے کہ انسان کو اعلیٰ فطرت اور اعلیٰ خلقت کے ساتھ آزادی بھی ملی ہے۔ اس آزادی کی وجہ سے وہ اگر چاہے تو احسن تقویم میں ہونیکے باوجود اسفل سافلین کی حضیض ذلت میں گر جائے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ انسان کی قوتیں اور قابلیتیں لامتناہی ہیں۔ اس کو ترقی کی ایک لمبی منزل طے کرنی پڑتی ہے۔ حیوانات کی طرح اس کا راستہ کوس دو کوس کا نہیں ہے کہ چلے اور پہنچ گئے۔ اس درازی راہ اور آزادی رائے کے ساتھ اس کا گرنا اور اٹھنا ڈوبنا اور اُچھلنا بالکل قدرتی بات ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ آزادی رائے اور درازی منزل کے ساتھ ساتھ اس کی آزمائش بھی کی گئی ہے۔ اسکے سامنے دنیا کو نقد، آخرت کو نسیہ، نیکی کو دشوار، بدی کو آسان، حرام کو لذیذ اور کثیر اور حلال کو بے مزہ اور قلیل، ثمرۂ حق کو آجل اور نتیجہ باطل کو عاجل، حقیقت کو مستور اور وہم و فریب کو دلکش اور پُرجمال بنا کر رکھ دیا گیا ہے تاکہ اس کا امتحان ہو کہ وہ خیر کی طرف لپکتا ہے یا شر کی طرف۔ اپنی فطرت کے مخفی مگر پُرحقیقت اشاروں کی طرف بڑھتا ہے یا نفس کی خلاف فطرت مگر پر فریب دعوتوں کی طرف۔ بلاشبہ یہ امتحان بڑا کڑا ہے لیکن فطرت کا نفس لوّامہ بھی ضعیف نہیں ہے۔ وہ ہر تاریکی کے اندر جھانکنے کی راہ پیدا کرلیتا ہے اور انسان کی رہنمائی کے لئے اشارے کرتا ہے اور آدمی محسوسات کے کتنے ہی نقاب اپنے اوپر ڈال لے لیکن اسکے اشارے دیکھتا اور اس کی صدائیں سنتا ہے لیکن نفس اور محسوسات کی گہرائیاں اسکو چھوڑتیں نہیں۔ اور وہ خدا کی صدائیں سنتے ہوئے بھی اسکی نافرمانیاں کرتا اور اسکی حجتوں کو دیکھتے ہوئے بھی اپنے لئے عذرات تراش ہی لیتا ہے۔ یہی حقیقت ہے جو سورہ قیامہ کی آیات (ولا اقسم بالنفس اللوامة)[1]

[1] اور نہیں میں قسم کھاتا ہوں نفس ملامت گر کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



(بل یرید الانسان لیفجر امامه[1]) اور (بل الانسان علی نفسه بصیرة ولو القیٰ معاذیره[2]) میں بیان ہوئی ہے اور تفصیل اس اجمال کی استاذ امام کی تفسیر سورہ قیامہ میں دیکھنی چاہیے۔

امتحان کی یہ سختی اس بات کی متقضی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ انسان کی رہنمائی کے لئے انبیاء مبعوث فرمائے۔ ہر چند فطرت کی کشش خدا کی طرف ضعیف نہیں تھی لیکن دنیا اور اس کی گیرائیاں نفس اور اس کی فریب کاریاں شیطان اور اس کی دلربائیاں بھی اپنے اندر اتنا وزن رکھتی تھیں کہ رحمت الٰہی متقضی ہوئی کہ اس کسر کا جبر مہیا کرے اور نفس کے پہلو پر جو ثقل ہے اس کی تلافی فطرت کے پلڑے میں پاسنگ رکھ کے کر دے۔ چنانچہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو شیطان کے ساتھ اس آزمائش گاہ دنیا میں اتارا تو ساتھ ہی اپنی ہدایتیں اور اپنے انبیاء بھیجنے کا وعدہ فرمایا (فاما یاتینکم منّی ھدی) تاکہ اس میدان مقابلہ میں انسان کی فطرت تنہا نہ پڑ جائے بلکہ اسکے ساتھ اللہ کے نبیوں، اس کی کتابوں اور اسکے ملائکہ کی نصرت بھی ہو۔ یہ فطرت کی تائید میں ایک مزید کمک تھی جس کے بعد انسان پر اللہ کی حجت تمام ہو گئی اور اسکی ہدایت کا معاملہ اتفاق و امکان پر نہیں رہ گیا۔ اب اس کے لئے قیامت کے دن یہ عذر باقی نہیں رہا کہ تاریکی اتنی سخت تھی کہ اس سے اپنی فطرت کے مدھم نقوش پڑھے نہ جا سکے۔ بلاشبہ تاریکی سخت تھی لیکن 'نور مبین' اور 'سراج منیر' بھی موجود تھے جو فطرت کے باریک سے باریک نقوش کو اجاگر کر رہے تھے۔ قدرت کسی گوشہ میں بھی اپنی فیض بخشیوں میں بخیل نہیں ہے۔ یہ ممکن تھا کہ انسان کو سننے کے لئے ایک ہی کان دیا جاتا، یا دیکھنے کے لئے ایک ہی آنکھ ملتی لیکن قدرت نے دو کان بخشے اور دو آنکھیں عنایت کیں۔ اسی طرح یہ بھی ممکن تھا کہ انسان کی رہنمائی اسکی فطرت ہی پر چھوڑ دی جاتی لیکن رحمت الٰہی نے اس معاملہ کو امکان و اتفاق پر نہیں چھوڑا بلکہ اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ سے ہدایت کا بہتر سے بہتر سامان مہیا کر دیا۔ اندر اور باہر کی اتنی قوتیں رکھنے کے باوجود اگر انسان خدا پرستی کی حمایت میں شیطان سے لڑنے کے لئے تیار نہ ہوا بلکہ اس کے ساتھ اس نے سازگاری

---

[1] بلکہ انسان چاہتا ہے کہ خدا کے سامنے نافرمانی کرے۔ [2] انسان خود اپنے اوپر حجت ہے اگرچہ کتنے ہی عذرات پیش کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بھی چاہی تو ظاہر ہے کہ یہ فطرت کی خرابی نہیں ہے بلکہ اسکے اسباب دوسرے ہیں جو انشاء اللہ تفصیل کے ساتھ آئندہ فصل میں بیان ہونگے۔

اس تقریر کے بعد اس بات کی تردید کی ضرورت نہیں رہی کہ تمام مذاہب کی اصل ایک ہے۔ اسلام اور دوسرے آسمانی مذاہب کا نقطۂ آغاز خوف کا جذبہ نہیں بلکہ محبت الٰہی کا جذبہ ہے اور شرک و بت پرستی کی بنیاد ایک بالکل دوسری ہی شے پر ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ پس اسلام (اور تمام مذاہب حقہ کا اصلی نام اسلام ہے اور یہی ابتدائے آفرینش سے خدا کا اصلی دین ہے) اور شرک و بت پرستی میں اصل و نسل کا فرق ہے۔ اور ان کا فطرتی تعلق صلح و آشتی کا نہیں بلکہ نفرت و عداوت کا ہے۔ ایک فطرت کا ارتقاء ہے دوسرا فطرت کی رجعت قہقری۔ دونوں کی سمت سفر اور منزل بالکل مختلف ہے ان میں رواداری اور مسالمت کی کہاں گنجائش ہے!

دنیا میں انسان محض جینے نہیں آیا ہے۔ اس لئے آیا ہے کہ اس کی فطرت میں جو اعلیٰ صلاحیتیں ودیعت ہیں ان کو ارتقاء کے اس نقطۂ کمال تک پہنچا دے جہاں تک وہ اس عالم آب و گل میں پہنچ سکتی ہیں۔ اسی مقصد کے لئے انسان کو دنیا میں جینے کی ایک مہلت ملی ہے اگر یہ مقصد پورا نہ ہو رہا ہو تو اس کا جینا لاحاصل اور اس کا زندہ رکھنا عبث ہے اور قدرت جو ہر گوشہ میں اتنی حکیم ہے وہ ایک کارِ عبث نہیں کر سکتی۔ انسان کے ارتقائے روحانی کا نقطۂ آغاز جیسا اوپر معلوم ہو چکا ہے، خالص خدا پرستی کا جذبہ ہے۔ جب انسان اس رُخ پر بڑھ چلتا ہے تو وہ ارتقائے روحانی کی اصلی شاہراہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اگر اس نے اس سے رُخ پھیر لیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ارتقائے فطری کی راہ کے خلاف بہ چلا ہے۔ چونکہ قدرت حد درجہ مہربان ہے اس لئے اس نے فطری ہدایت بخشنے کے باوجود اس کا سامان کیا ہے کہ وہ اپنے انبیاء و رسل بھیجتی ہے جو انسانوں کو ان کے ارتقاء کی صحیح سمت میں ہانکتے ہیں یعنی ان کو خالص خدا پرستی کے نقطہ تک لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ جس جماعت کے داعی ہوتے ہیں اسکے نخلِ فطرت کے بہترین ثمر ہوتے ہیں بہترین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیرت رکھتے ہیں بہترین کلام سناتے ہیں بہترین عمل دکھاتے ہیں اور ایک طویل مدت تک ایک اعلیٰ ترین فطرت کا اعلیٰ ترین مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بہترین جماعت تیار کر دیتے ہیں جو فطری ارتقار کی اصلی شاہراہ پر اپنا مارچ شروع کر دیتی ہے۔ اب اسکے بعد بھی اگر کچھ پلید ایسے ہیں جن کے کان فطرت کی صداؤں اور نبی کی نداؤں سے بالکل غافل ہیں تو ان کو قدرت کس کام کے لئے باقی رکھے! محض جینے کھانے پینے اور بچے پیدا کرنے کے لئے تو انسان بنانے کے باوجود، انہیں چھوڑنے سے رہی۔ اس کے لئے تو حیوانات موجود ہی ہیں جو یہ سارے کام بھی کر رہے ہیں اور اپنے سے برتر نوع کی خدمت کر کے ارتقار کی شاہراہ پر بڑھ بھی رہے ہیں۔ ہدایت کے لئے جو جتن کئے جاسکتے تھے وہ کئے جاچکے۔ اب صرف یہ چیز باقی رہ گئی کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے یا تو حقائق کے تمام پردے اٹھا دے اور انہیں تمام عالم غیب و شہادت کی سیر کرا دے یا ہدایت پر مجبور کر دے لیکن یہ اکراہ اور کشف حجاب اس آزادی اور سنت ابتلار کی نفی ہے جس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں تو اب قدرت ان کو کس کام کے لئے جینے کی مہلت دے! یہ انسان بجز اسکے اب کیا کرے گا کہ جس غلط راہ پر خود چل پڑا ہے اسی پر ان کو بھی چلائے گا جن پر اس کا قابو چلے گا اور ان کو بھی جو اس کی صلب سے پیدا ہونگے۔ (ان تذرهم يضلوا عبادك ولا يلدوا الا فاجرا كفارا) اسی لئے سنۃ اللہ یہ ہے کہ جن قوموں کے اندر انبیاء و رسل بھیجے گئے تکمیل دعوت اور اتمام حجت کے بعد انکے صالحین کو چھانٹ کر الگ کر لیا گیا اور فاسقین و اشرار کو عذاب الٰہی کے ذریعہ سے یا اہل حق کے ہاتھوں ختم کر دیا گیا اور بقائے اصلح کا قانون اسی کا مقتضی ہے۔

یہ سنۃ اللہ انبیار کے لئے مخصوص ہے اور اس کے متعین ضوابط ہیں جو قرآن حکیم میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں اور استاذ امام کی تفسیر سورۃ کافرون میں اس پر اجمالی اشارات ملیں گے۔ انبیاء کے علاوہ دوسرے اشخاص اور جماعتیں اس درجہ کا اتمام حجت نہیں کر سکتے کہ یہ طے ہو جائے کہ اب اس قوم میں قبول ہدایت کی صلاحیت باقی نہیں رہ گئی اس لئے ان کو یہ حق نہیں ملا کہ وہ غیر صالح افراد کو ختم کر دیں الا آنکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ایک شخص نے قبول ہدایت کے بعد رجعت وارتداد اختیار کیا ہو کیونکہ اس کا ہدایت کو قبول کرنا ہی اس امر کا ثبوت ہے کہ اس پر حق روشن ہو چکا ہے۔ ان کو غیر صالح افراد کے باب میں صرف یہ حق ملا ہے کہ ان کے ہاتھوں سے قیادت کی باگ چھین کر ان کو اپنی ماتحتی میں رکھیں تاکہ وہ زمین میں فساد پھیلانے کی بجائے ایک صالح قیادت میں رہکر اور ایک سازگار ماحول میں پل کر، اگر کچھ گنجائش ہے تو اپنی اصلاح کر سکیں۔

اس تمام تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مذہب کا آغاز محبت کے جذبہ سے ہوا جو بچہ کی فطرت میں والدین کے لئے اور بالغوں کی فطرت میں والدین کے سوا ایک منعم حقیقی کے لئے پیدا ہوا۔ اس محبت سے منعم حقیقی کے لئے شکر و حمد کا اور والدین کے ساتھ احسان کا جذبہ پیدا ہوا۔ منعم حقیقی کی حمد کے جذبہ نے اقبال الی اللہ کا تصوّر پیدا کیا جس نے نماز کی صورت اختیار کی اور والدین کے ساتھ احسان کے جذبہ نے ان کی خدمت اور ان کے لئے انفاق کا تصوّر پیدا کیا جس نے ترقی کر کے ایتاء ذی القربی اور زکوٰۃ کی شکل اختیار کی۔ اس طرح روح انسانی کا ارتقاء شروع ہوا اور حقوق اللہ کی ادائیگی کے تصوّر نے تمام عقائد و عبادات کو استوار کیا اور حقوق العباد کی ادائیگی کے تصوّر نے تمام اخلاق و معاملات کو استوار کیا۔ یہ فطرت اور خدا پرستی کی صراطِ مستقیم ہے۔ یہی ارتقاء روح کی اصلی شاہراہ ہے۔ اسکے ایک سرے پر ابو نا آدم علیہ السلام ہیں اور دوسرے سرے پر خاتم الانبیاء رسول اللہ صلعم اور اسکے بیچ میں وسط راہ پر خدا کے ہزاروں لاکھوں انبیاء و رسل اور دعاۃ حق تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے کھڑے ہیں اور انہوں نے اپنے اپنے زمانوں میں اسی راہ پر چلنے کی دعوت دی لیکن انسان بار بار اس راہ پر آکر اس سے منحرف ہوتا رہا اور زمین کی اصلاح کے بعد اس میں خرابی پیدا کرتا رہا۔ چنانچہ ہر نبی کو یہ کہنا پڑا کہ لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا۔ زمین کی اصلاح کے بعد اس میں خرابی مت پیدا کرو۔

---

© rasailojaraid.com